

محمد اعظم خان

دہلیز کے پار

دہلیز کے پار

محمد اعظم خاں

مجھے یہ سوچ کر ہی تکلیف ہو رہی ہے کہ محض چند روز تک خون پر بھرتی بھی ٹھکھٹک کر نے والے ایک چٹنی شخص کی خاطر ہم چار سو برس کے چار سو عزت کو داؤ پر لگا کر گمراہی و طبع پار کر گئی تھی تو چاہتا ہے تھا ہاں گویا کھوت دوں ” تو ازلے غصے سے کانپتے ہوئے بات کی تھی اور تجزی سے آگے بڑھ کر اپنے دلوں ہاتھوں سے پڑی کاٹھ و ہونچ لیا تھا۔ یہ سراسر قدر دہاک ہوا تھا کہ سب کھڑے دیکھتے رہ گئے تھے تو ازلے پڑی کاٹھ اس قدر زور سے دیا ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں ہار کر کھل آئی تھیں

وہ پوچھو تو وہ جانکوں کے ساتھ نظر آتا ہوا، ایڈوکیٹ عادل کے جیسیر کے سامنے آکھڑا ہوا تھا، اس نے ساف ستوری استری کی ہوئی کریم لکری شلوار قمیض پہنی رکھی تھی اس کے پاؤں میں جو گر اور کھائی پر گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے عادل جیسیر کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اب تک نہ کسی سے کوئی بات کی تھی اور نہ ہی اپنے آنے کا مقصد ہی بیان کیا تھا، ایڈوکیٹ عادل اپنے کمرے میں بیٹھا، خاکوں میں الجھا ہوا تھا، اس نے ایک دو بار فائل سے نظر اٹھا کر باہر کی طرف نگاہ دوڑائی تھی اور اس کی نظر اس نوجوان پر بھی پڑی تھی، مگر اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور پھر سے خاکوں میں گم ہو گیا تھا۔

ایڈوکیٹ عادل کو کسی انتہائی اہم کیس کے سلسلے میں ہائی کورٹ کے جج کے سامنے پیش ہو کر وکیل دینے تھے، اس لئے وہ اپنی تیاری کر رہا تھا، خاکوں کی دھک گردانی کے دوران اس کی نظر ایک بار پھر سے باہر کی طرف اٹھ گئی تھی، جہاں وہ نوجوان بدستور خاموش کھڑا تھا، پہلی بار جب ایڈوکیٹ عادل کی نگاہ اس نوجوان پر پڑی تھی تو اس نے اسے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، مگر اس نوجوان کو مسلسل دہاں کھڑے دیکھ کر اسے تشویش ہوئی تھی، اس لئے اس نے اپنے فٹنی کو بلا کر اس نوجوان سے دہاں کھڑا ہونے کا سبب جاننے کے لئے بھیج دیا تھا۔

فٹنی کو اپنی جانب آتے دیکھ کر نوجوان نے اپنے چہرے پر پریشانی سہائی تھی اور اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اللہ کے نام پر کچھ دینے کو کہا تھا، دون بھر طرح طرح کے ہتھکاری دہاں آتے تھے، وہ ایک پل کو دہاں رک کر اللہ کے نام کی صدا بلند کرتے تھے، اگر انہیں کچھ مل جاتا تو وہ مانگیں دیتے ہوئے آگے بڑھ جاتے تھے، اور نہ ملنے کی صورت میں معاف کر دیا کا اشارہ پا کر بھی دہاں رکھتے نہیں تھے، لیکن وہ نوجوان کتنی ہی دیر سے اپنی جگہ کھڑا تھا، اس لئے اسے دیکھ کر فٹنی کو بھی الجھن ہونے لگی تھی۔

”کیا بات ہے، یہاں کیوں کھڑے ہو؟“ فشی نے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا تھا۔

”اللہ کے نام پر کچھ دے دو“ نوجوان نے اس قدر آہستہ سے کہا تھا کہ فشی بھی بمشکل ہی سن پایا تھا۔

اس کی بات سن کر فشی اس کے وہاں آنے اور خاموشی سے کھڑا رہنے کی وجہ جان گیا تھا، اس لئے اس نے اس نوجوان سے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا اور نوجوان کو وہیں رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایڈ وکیٹ عادل کے پاس جا پہنچا تھا۔

”کیا کہہ رہا ہے وہ...؟“ ایڈ وکیٹ عادل نے فشی کے آتے ہی اس نوجوان کے بارے میں سوال کیا تھا، کیونکہ جب سے اس کی نگاہ اس نوجوان پر پڑی تھی، وہ پوری طرح ناکلوں کو توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔

”بھکاری ہے سر۔۔۔“

”شکل و صورت سے تو بھکاری نہیں لگتا“

”یہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں سر۔ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نئے نئے روپ دھارتے ہیں، تاکہ لوگ ان پر توجہ سے زیادہ سے زیادہ بھیک دیں۔“

”تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں، درندہ دل تو نہیں مان رہا“ عادل نے بات کی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد بولا:

”تم ایسا کرو، اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔“

”چھوڑیں سرگئی، کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں... میں اسے کچھ دے دلا کر فارغ کر دیتا ہوں۔“

”اپنا مشورہ اپنے پاس رکھو اور جیسا میں نے کہا ہے، وہ کیا کرو“ ایڈ وکیٹ عادل نے سختی سے بات کی تھی، اس لئے فشی خاموشی سے گردن جھکا کر مت میں کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو چار بہنوں کے بعد، بہت سی منتوں اور دعاؤں کے بعد کوثر کے ہاں پیدا ہوا تھا، بڑا پیارا ہونے پر اشرف کا سینہ بھی چوڑا ہو گیا تھا، اشرف گلی گلی ریاضی پر ہنسی چھڑا کر رہا تھا، جس سے گھر کے اخراجات کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے تھے، خادم حسین کے پیدا ہونے پر وہ اس قدر خوش تھا کہ تین روز تک ہنسی بیچنے کے لئے بھی نہیں کیا تھا، کوثر نے اسے بار بار سبھا یا تھا، ”اس طرح گھر میں بیچ کر گزار نہیں ہوگا“ محب کہیں جا کر وہ بمشکل کام پر جانے کے لئے تیار ہوا تھا۔

اشرف صبح سویرے ہی سہری منڈی چلا جاتا تھا وہاں سے سہری خرید کر لانے تک سورج نکل آتا تھا، پھر ناشتے کے بعد وہ جلدی سے ریڑھی پر سہری جا کر بیٹھنے کے لئے نکل پڑتا تھا، گلی گلی جا کر سہری بیٹھنے سے فارغ ہونے تک اسے شام ہو جایا کرتی تھی، جس روز گھانکی کم ہوتی تھی، اس روز وہ اور بھی لیٹ گھر پہنچتا تھا صبح جلدی اٹھنے اور دن بھر کا تھا کارا ہونے کی وجہ سے کھانا کھانے کے بعد چار پائی پر لیٹنے ہی اسے ایسی گہری غیندا آتی تھی کہ پھر صبح تک اسے اپنی کوئی خبر نہیں ہوتی تھی۔

بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جا رہے تھے، کوثر نے اشرف سے کئی بار خادم حسین کو پولیو کے قطرے پلانے کے لئے لے جانے کو کہا تھا، مگر نہ وہ وقت نکال پایا تھا اور نہ وہ خود ہی بچوں کو اکیلی چھوڑ کر گھر سے نکل پائی تھی، حیران کن بات یہ تھی کہ گھر گھر جا کر پولیو کے قطرے پلانے کے دعووں کے باوجود قطرے پلانے والی ٹیم کا بھی کوئی رکن ان کے گھر تک نہیں پہنچا تھا اور یوں خادم حسین کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے نہیں جا سکے تھے۔

وقت گزر گیا تھا اور بات آئی گئی ہو گئی تھی، کسی کو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ خادم حسین کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے نہیں پلائے گئے تھے، خادم حسین دیکھنے میں تو اچھا بھلا صحت مند تھا مگر پلٹے پلٹے اچانک گر جاتا تھا، پہلے پہل تو کوثر نے اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، مگر جب وہ پلٹے پلٹے بار بار گرنے کا تو کوثر کو تشویش ہونے لگی تھی اور اس نے خاندان کے وائس آفیسر کے کانوں میں بھی یہ بات ڈال دی تھی۔

”زیادہ وہم نہیں کیا کرتے۔۔۔ دو چار دن اس کی ٹانگوں پر تیل کی مالش کرو، پھر دیکھنا گھوڑے کی طرح دوڑنے لگے گا“ بی بی کی بات سن کر اشرف نے قہقہے سے ہنس دیا تھا۔

”تم کہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لیتی ہوں“ کوثر نے افسردہ لہجے میں بات کی تھی۔

”اب چھوڑ بھی دو اس بات کو اور جا کر میرے لئے روٹی لاؤ، بہت زوروں کی بھوک لگی ہے“ اشرف نے کوثر کو ڈانٹ دیا تھا، اس لئے وہ کچھ بول نہیں پائی تھی اور اس کے لئے کھانا لانے چلی گئی تھی۔

خاندان کے کہنے پر کوثر، بی بی کی ٹانگوں پر سرسوں کے تیل کی مالش کرنے لگی تھی، لیکن ایک ہفتے تک مسلسل مالش کرنے کے باوجود بھی خادم حسین کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی، وہ اب بھی پہلے کی طرح پلٹے پلٹے گر پڑتا تھا۔

”تمہارے کہنے پر میں نے وہ چار دن کی بجائے ایک ہفتے تک خادم حسین کی ٹانگوں پر تھیل کی مالش کر کے دیکھ لی ہے، مگر اسے کچھ فرق نہیں پڑا“ کوثر نے خادم سے ڈرتے ہوئے بات کی تھی۔

”اب تم کیا کہتی ہو؟“

”میں کہہ رہی تھی کہ اگر تم کہو تو کسی ڈاکٹر یا جراح کو دکھالیں“

”یہ کچھ پیسے رکھ لو، کل دن کے وقت اسے جراح کے پاس لے جانا“ اشرف نے جیب سے کچھ روپے نکال کر کوثر کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔

اگلی صبح کوثر، خادم حسین کو جراح کے پاس لے گئی تھی، کوثر نے اسے تمام تر تفصیل بیان کر دی تھی ماس نے خادم حسین کی ٹانگوں کا بنور معائنہ کیا تھا اور پھر کئی طرح کے تھیل لگا کر اس کی دونوں ٹانگوں پر پٹی کرنے کے بعد دو روز بعد دوبارہ پٹی کروانے کے لئے کہہ دیا تھا، کچھ روز تک جراح سے پٹیاں ہوتی رہیں، لیکن معمولی سا بھی فرق نہیں پڑا تھا، وہاں سے واپس ہونے کے بعد وہ دونوں اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے، ڈاکٹر نے خادم حسین کی ٹانگوں کو دیکھتے ہی بتا دیا تھا کہ اسے پولیو ہے، پھر ڈاکٹر سے علاج ہونے لگا تھا، اس سے یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس کی ٹانگیں مکمل طور پر تو مفلوج نہیں ہوئی تھیں، مگر وہ پوری طرح ٹانگوں پر بوجھ نہیں ڈال پاتا تھا، اس لئے لنگڑا کر چلتا تھا۔

خادم حسین کے والدین نے اپنی بھرپور کوشش کی تھی کہ کسی طرح وہ بڑھکھ جائے، لیکن اسے بڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ وہ کئی بار ٹھیک ہونے کے بعد بھی میزک کا امتحان پاس نہیں کر پایا تھا، والدین نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم دلوانے کے لئے جو خواب دیکھے تھے وہ چٹنا چور ہو گئے تھے۔

خادم حسین نے اپنے طور پر کئی جگہ ملازمت کی کوشش کی تھی، مگر ہر جگہ اس کی معزوری آڑے آ جاتی تھی، پھر ایک روز اس نے اپنی اسی معزوری کو ہتھیار بنا کر لوگوں سے بجیک مانگنے کا آسان راستہ اپنا لیا تھا، وہ کسی بھی دکان یا دفتر کے سامنے خاموشی سے جا کھڑا ہوتا تھا، جب کوئی اسے کچھ دے ڈالتا تو وہ آگے بڑھ جاتا تھا، ورنہ جو بھی خاموش کھڑا رہتا تھا، آج اس نے ماڈل ٹاؤن پکھری کا رخ کیا تھا اور آہستہ آہستہ لنگڑا کر چلا ہوا اینڈر کیٹ عادل کے چیمبر کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

منشی کے ذریعے ایڈوکیٹ عادل کا پیغام سننے کے بعد خادم حسین، اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا، عادل نے مقدمے کی فائلیں سینٹ کرایک طرف رکھتے ہوئے خادم حسین کو سر سے پاؤں تک بخود دیکھنے کے بعد اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا تھا۔

”بھیک مانگنے کی بجائے کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے؟“ ایڈوکیٹ عادل نے خادم حسین کو اپنے سامنے بٹھا کر اچھائی نرم لہجے میں بات کی تھی۔

”کوشش تو بہت کی، مگر کسی نے کوئی کام نہیں دیا“

”کہیں ایسا تو نہیں کہ بھیک مانگنا تمہیں سب سے آسان کام لگا ہو؟“

”کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنا اچھائی مشکل کام ہے، اس شخص کام کو کرنے کے لئے سب سے پہلے اپنے حمیر کو مارنا پڑتا ہے۔ جب تک اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ہمت ہوتی ہے“

”کچھ تو بڑا بہت بڑے کھیسے بھی ہو؟“

”میرے ماں باپ کی شدید خواہش تھی کہ میں پڑھ لکھ جاؤں۔ لیکن میں بار بار کوشش کے باوجود بھی میسر نہ پاس نہیں کر سکا“

”اگر میں تمہیں اپنے پاس یہاں ملازم رکھ لوں تو کیا تم کام کرو گے؟“

”جی کر لوں گا“ خادم حسین نے جھٹ سے جواب دیا تھا۔

”اچھی طرح سوچ لو۔۔ اور اگر چاہو تو اپنے گھروالوں سے بھی مشورہ کر لو“

”میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، بلکہ وہ تو بہت خوش ہوں گے، کیونکہ میرے باپ نے ساری عمر بڑھی پر سبزی لگا کر بیچتے ہوئے گزار دی۔۔ اس لئے اس کی خواہش ہے کہ میں کسی دفتر میں کرسی میز پر بیٹھ کر کام کروں“

”تو پھر ٹھیک ہے، کل سے ہی تم کام پر آ جاؤ“

ایڈوکیٹ عادل کی بات سن کر خادم حسین کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی، اس نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر ہاتھ مار کر لنگڑا ہوا لوہاں سے نکل گیا تھا۔

غشی کی میز کے سامنے ہی خادم حسین کے لئے بھی میز اور کرسی لگا دی گئی تھی، مایہ دیکھت عادل کے کہنے پر غشی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ان دونوں کی غیر موجودگی میں وہاں آنے والے سائلوں سے کس طرح بات کرنی ہے اور اگر کسی کا فون آئے تو ان کا نام اور فون نمبر پوچھ کر کاغذ پر نوٹ کر لینا ہے۔

ایڈووکیٹ عادل کا زیادہ تر وقت مختلف مقدمہ مات کی جیوری کے سلسلے میں عدالتوں میں ہی گزر رہا تھا، دن بھر غشی بھی فائلیں اٹھائے اس کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا، اب ان کی غیر موجودگی میں آنے والے سائلوں کو اٹینڈ کرنے اور فون ملنے کا کام خادم حسین بخوبی سمجھنے لگا تھا، ایڈووکیٹ عادل اس کی کارکردگی سے بہت مطمئن تھا، وہ اسے جس کام کے سلسلے میں بھی کہیں بھگواتا تھا، خادم حسین وہ کام کر کے ہی کوٹتا تھا، عادل کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے خادم حسین کو اپنے ہاں ملازم رکھ کر نہ صرف غشی کا کام کیا تھا بلکہ وہ اس کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔ کئی بار ایڈووکیٹ عادل کو خادم حسین سے رابطہ کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، مگر وہ کرفیس پاتا تھا، اس لئے اس نے خادم حسین کو سواہل بھی لے دیا تھا تاکہ کسی وقت اس سے رابطہ کرنا ضروری ہو تو ہا آسانی کیا جاسکے۔

گھر کی تمام ضروریات اشرف ہی پوری کرتا تھا، اس لئے خادم حسین پر گھر کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی، مگر وہ اپنی خوشی سے کچھ رقم ماں کی تلی پر رکھ دیتا تو وہ خوشی لے لیتی تھی، مگر اس نے خود سے کبھی کچھ نہیں مانگا تھا، آفس سے ملنے والی تحفہ میں سے کچھ پیسے جیب میں جمع ہونے لگے تو خادم حسین کو مستیاں سونہنے لگی تھیں، اب وہ آفس سے واپس گھر آنے کے بعد کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں جا گھستا اور سواہل لے کر بیٹھ جاتا تھا، اس نے ایس ایم ایس کے علاوہ ٹھنٹوں پاتھیں کرنے کا بھی کچھ بھی کر دیا تھا، واٹس پناٹک بھیج بھگواتا اور لوگوں کے نمبر ملا کر انہیں خواہ مخواہ تنگ کرتا، اب اس کا محبوب مشغلہ بن چکا تھا، کسی سے غلط نمبر مل جانے پر اسے جھازیں بھی سننا پڑ جاتیں تو اسے اس کی بھی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔

اس رات بھی وہ دیر سے اسی کام میں لگا ہوا تھا، اس نے پونجی غیر اصولی طور پر کچھ نمبر دیا دیے تھے اور ہر سواہل کان سے لگا کر بیٹھ گیا تھا، اس طرف تیل ہونے لگی تھی، مگر بار بار تیل ہونے پر بھی کوئی فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا، وہ کال کاٹنے ہی والا تھا کہ ایک نسوانی آواز اس کے کانوں میں دس گھول گئی تھی، اس لڑکی کی آواز سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سوری تھی، شاید اسی لئے اس نے کافی دیر بعد فون اٹینڈ کیا تھا، اس نے لڑکی سے بات کرنے کی بجائے گھبرا کر جلدی سے رابطہ کاٹ دیا تھا۔

وہ رات بھر موہاگل پر سنبھنے والی لڑکی کی آواز کے چاؤ میں کھویا رہا تھا، دن میں بھی وہی آواز بار بار کانوں سے ہوتی ہوئی اس کے دل کو لگا کر گدائی رہی تھی، وہ ایک بل کے لئے بھی آفس کے کسی کام کو توجہ نہیں دے پایا تھا، آفس سے واپسی پر اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور کمرے میں آ بیٹھا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رات کو جس نمبر پر لڑکی سے بات ہوئی تھی، وہ جلدی سے وہی نمبر لکھ کر اس کی معرّفہ آواز سنے، مگر نمبر ملانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا، اسے کمرے میں آئے ہوئے کتنی ہی دیر ہو گئی تھی، لیکن وہ موہاگل ہاتھ میں لئے کسی سوچ میں گم بیٹھا تھا، آج وہ ادھر ادھر سے آئے ہوئے مقصد سمجھ بھی کسی کو فارورڈ نہیں کر رہا تھا، اس نے کئی بار لڑکی کا نمبر لکھا تھا، لیکن پھر موہاگل کی جیل ہونے سے پہلے ہی منقطع کر دیا تھا۔

خادم حسین، عجیب کیفیت سے گزر رہا تھا، آخر کار اس نے خود کو ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرتے ہوئے ہمت کر کے نمبر لکھا اور موہاگل کان کو لگا کر بیٹھ گیا، ادھر بتل ہونے لگی تھی اور ادھر خادم حسین کے دل میں گھنٹیاں بجنے لگی تھیں، کال انیٹھ کر لی گئی تھی اور وہی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، جس نے پچھلی رات سے اسے بے چین کر رکھا تھا، لڑکی کی آواز سن کر خادم حسین خاموش رہا تھا، اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے قوت کو پائی اس کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔

”آپ کے سامنوں کی آواز بتا رہی ہے کہ آپ فون کان سے لگائے ہوئے ہیں، مگر آپ بات کیوں نہیں کر رہے؟“ لڑکی نے انتہائی دلچسپی سے لہجے میں بات کی تھی۔

”میں اس خوف سے بات نہیں کر رہا ہوں..... کہ کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں“ خادم حسین نے بے ترتیب ہوتی ہوئی دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بات کی تھی۔

”کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے مجھے فون کیوں کیا؟“

”دراصل کل رات یونہی بے خیالی میں آپ کا نمبر مل گیا تھا.. جب آپ کی خواہش آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے جلدی سے کال کاٹ دی تھی.. مگر اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ آواز میری فیمنیں ادا دے گی.. اسی لئے آج بھی ڈرتے ڈرتے نمبر لکھا تھا“

”آپ کو اس گفتگو کی کیا سزا دی جائے؟“ لڑکی نے اپنی جلی کو ہاتھ سے لے کر کہا تھا۔

”یہ آپ کے ہاتھ میں ہے“

”تو پھر آپ کی سزا یہ ہے کہ آج کے بعد آپ ہر روز اسی وقت بجھے فون کیا کریں گے۔ اللہ حافظ“ لڑکی نے بات کرتے ہی فون بند کر دیا تھا اور موبائل ایک طرف رکھتے ہوئے لیٹ گئی تھی۔



وہ چھوٹی سی تھی، جب اس کی ماں اسے تنہا چھوڑ کر ماٹھ کو پیاری ہو گئی تھی، اسے یاد تھا کہ اس کی ماں اسے ہری کہہ کر پکارا کرتی تھی، اور اسے اپنی گود میں اٹھا کر خوب پیار کیا کرتی تھی، انوار نے بیوی کے مرنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد دوسری شادی کر لی تھی اور فریڈ کو یاد کر گھر لے آیا تھا، ہری کو اب تک ماں باپ کا بھرپور پیار ملا تھا، سو تھلی ماں نے بھی شروع کے ایک دو سال ہری کو خوب پیار دیا تھا مگر جیسے جیسے اس کی اپنی اولاد ہوتی گئی، ہری کو ملنے والا پیار تقسیم ہوتا چلا گیا، ابھی وہ دن تھے جب ہری کے اعمد یا احساس پلنے لگا کہ گھر میں اس کے باپ سمیت کسی کو بھی اس کی ضرورت نہیں تھی، وہ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، مہیا احساس اس کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا چلا گیا تھا۔

ہری، بہن بھائیوں اور ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی گھر میں خود کو تنہا محسوس کرتی تھی، اس لئے اس نے اپنی ایک الگ دنیا بسالی تھی، جو اس کے کمرے کی دیواروں تک محدود تھی، جس میں وہ اور اس کی تنہائی ہوتی تھی، اعظمیڈ ہیٹ کا امتحان پاس کرنے کے بعد اس نے تعلیم کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا، انوار کی دلی خواہش تھی کہ اس کی بیٹی مزید تعلیم حاصل کرے مگر اس نے کسی کی نہیں سنی تھی اور سب سے کٹ کر وہ گئی تھی، فضیل اور فاروق جیسے پیار کرنے والے بھائیوں اور چھوٹی بہن سندس کے ہوتے ہوئے بھی اسے گھر میں ایسا کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا، جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکے، اس لئے وہ شام ہوتے ہی اپنے کمرے میں قید ہو کر بیٹھ جاتی تھی۔

اسے کسی ایسے شخص کی حاش تھی جو گھنٹوں اس سے باتیں کرتا رہے، جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات، ہر دکھ کچھ شیئر کر سکے، فون پر کسی اجنبی سے پہلی بار بات کر کے ہی اسے ایسا لگ رہا تھا، جیسے یہی تو وہ شخص تھا، جس کی اسے ایک عرصے سے تلاش تھی۔



ہری کو یقین تھا کہ وہ پھر سے فون ضرور کرے گا، اس لئے وہ دن بھر رات ہونے کا انتظار کرتی رہی تھی، شام ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں گھس گئی تھی، اب موبائل اس کے ہاتھ میں تھا اور نگاہ دیوار پر لگی گھڑی پر جمی ہوئی تھی، اس نے اس بات کی قسملی کرنے کے لئے کہ اس کے موبائل کے سکل تو آرہے تھے، کئی بار موبائل اٹھا کر

دیکھ لیا تھا، اچانک موہاں میں دابھریشن ہونے لگی تھی اور اس کی لائنیں جلتے بجھنے لگی تھیں، اس نے جلدی سے فون اٹھ کر کے کان کو لگا لیا تھا۔

”اب خیال آیا ہے فون کرنے کا“ پری نے فون کان سے لگاتے ہی شکوہ کرنے کا انداز میں کہا تھا۔
 ”میں سوچ رہا تھا، کہیں آپ مصروف نہ ہوں“ خادم حسین نے ڈرتے ڈرتے بات کی تھی۔
 ”مجھے کیا مصروفیت ہوتی ہے، بس فارغی بیٹھی تھی“
 ”کل آپ نے جلدی سے فون بند کر دیا تھا، میں سمجھا شاید آپ ناراض ہو گئیں، اسی لئے آج بھی ڈرتے ڈرتے فون کیا ہے“

”اچھا.. آپ ڈرتے بھی ہیں؟“
 ”کل آپ سے پہلی بار بات ہوئی تھی ناں، اس لئے دل میں خوف سا تھا، شاید اسی لئے میں آپ کا نام بھی نہیں پوچھ پایا تھا“
 ”تو آج پوچھ لیں“

”پوچھ تو رہا ہوں“
 ”ویسے نام تو میرا پروین ہے، لیکن سبھی پری کہتے ہیں“
 ”پری.. بہت خوبصورت نام ہے.. بالکل آپ کی آواز کی طرح“
 ”اور آپ..؟“

”خادم حسین.. ایڈووکیٹ خادم حسین“ تھوڑے ہی عرصے میں عادل جمیر میں آنے والوں اور دن بھر فون کرنے والے افراد سے بات کرنے کی وجہ سے خادم حسین نے بات کرنے کا سلیقہ اور اسٹیک سیکھ لیا تھا، اس لئے پری کے سوال پر خادم حسین نے اچھائی منگائی سے ہموٹ بول ڈالا تھا۔

”بھرتو آپ بہت مصروف رہتے ہوں گے“
 ”جاک تو یہ ہے کہ دن بھر اس قدر مصروفیت رہتی ہے کہ دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلتا..“
 ”یہ تو اچھی بات ہے“
 ”آپ اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتائیں“

”میں تو ان بھر گھر میں ہی ہوتی ہوں، نہ کہیں آ جاؤ، نہ کہیں جانا“

”پر جتنی نہیں کیا۔“

”جتنا چاہتا تھا پڑھ لیا۔۔۔ بس اب گھر کے کاموں کے سوا کوئی اور دوسری مصروفیت نہیں“

وہ ایک دوسرے کو جاننے کے لئے دیر تک اسی طرح کی باتیں کرتے رہے، خادم حسین نے ہلکیجی کر وار کا تھا ہاتھوں کے دور ان ہی ایک گھنٹے ہونے پر کال خود بخود کٹ گئی تھی، ورنہ وہ جانے کب تک باتیں کرتے رہتے۔ ان میں غور پر باتیں کرنے کا ایسا سلسلہ چلا کہ وہ کچھ ہی دنوں میں ایک دوسرے کے بارے میں بہت کچھ جان گئے تھے، بات آپ سے شروع ہو کر بے تکلفی میں داخل ہوئی تو آپ کی جگہ تم تک پہنچ گئی تھی، پہلے پہل ان کی یہ باتیں ایک دو گھنٹے تک محدود رہیں، مگر پھر وہ رات رات بھر جا گئے، ان کی باتیں تھیں کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتی تھیں، رات رات بھر جا گئے رہنے کی وجہ سے خادم حسین کی نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی تھی، اس لئے وہ نہ صرف آفس لیٹ پہنچنے لگا تھا بلکہ غند کی وجہ سے آفس میں بھی ادھر ادھر لڑکتا پھرتا تھا، ان کی بارود جیسے میں اکیلا ہوتا تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے بھی سو جاتا تھا۔

پری نے روز کا معمول بنالیا تھا، دو شام ہوتے ہی جلدی سے گھر کے تمام کام نمن کر کمرے میں پہنچ جاتی تھی، وہ جانتی تھی کہ اب ادھر کوئی نہیں آئے گا، مگر اس کے باوجود وہ احتیاط سے دروازے کی کنڈی لگا لیتی تھی، تاکہ اگر کوئی اچانک ادھر آ نکلے تو وہ با آسانی صورت حال سنبھال سکے، ایسی ہی حالت خادم حسین کی تھی، اسے والدین اور بہنوں کو وقت دینے کی بجائے اس بات کی نگرانی رہتی تھی کہ وہ کمانے سے فارغ ہو کر فوراً اپنے کمرے میں جا گئے اور کنڈی لگا کر پری سے باتیں کرے۔

اب خادم حسین، پری کا مسٹر پر فیکٹ بن چکا تھا، اس نے خادم حسین کو سہنوں کا رنچ بنا کر اپنے دل میں بسالیا تھا، اب اسے اس بات کی قوراسی بھی پروا نہیں رہی تھی کہ گھر والوں میں سے کوئی اس سے بات کرتا ہے یا نہیں، اس نے اپنے من مندر میں ایک ایسا تاج محل تعمیر کر لیا تھا، جس میں ان دونوں کے علاوہ کسی اور کی کوئی جگہ نہیں تھی، اس لئے وہ اٹھتے بیٹھتے اپنی ہی دنیا میں گمن رہنے لگی تھی۔

”تمہارے بہن بھائی کب کے اپنے اپنے کالج اور یونیورسٹی چلے گئے، اور تمہارے پاپا بھی دیر ہوئی اپنے کام پر جا چکے ہیں، مگر تم اب انھی ہو۔“ فریحہ نے اپنے کمرے سے دن چڑھے اٹھ کر آنے پر پری سے سوال کیا تھا۔

”کوئی کام تھا کیا۔؟“ پری نے قدرے تلخ لہجہ میں دریافت کیا تھا۔

”کام تو کوئی نہیں تھا، لیکن صبح جلدی اٹھنے کی بجائے دوپہر تک سوئے رہنا کچھ مناسب نہیں لگتا۔“
فریحہ نے پری کو سمجھانے کے لئے انتہائی نرم لہجے میں بات کی تھی۔

”مجھے جو اچھا لگے گا میں وہی کروں گی۔ میرے لئے کیا اچھا ہے، کیا برا، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“
”یہ تو میں جانتی ہوں۔ میری بیٹی تو بہت کھدار ہے، ماشاء اللہ“ فریحہ، پری کے لہجے کی تکلی کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی، مگر پھر بھی اس کی باتوں پر ہلکے کی بجائے اس نے پیار سے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔

”میں کہاں کھدار ہوں۔۔۔ کھدار تو آپ کے بچے ہیں۔“

”تم بھی میری بیٹی ہو۔ اور جس طرح میں سندس کو سمجھاتی ہوں، اسی طرح تمہیں بھی سمجھا رہی ہوں، کیونکہ بچوں کو زمانے کے اونچے نیچے کے متعلق سمجھانا، ماں کے فرائض میں شامل ہے۔“

”اگر آپ کا نیچر ختم ہو گیا ہو تو میں ناشتہ کر لوں؟“

”ارے ہاں۔ میں نے بھی تمہیں کئی بار سمجھانے کی کوشش کی ہے، کل تمہارے پاپا بھی کہہ رہے تھے کہ ہر وقت کمرے میں بند رہنے کی بجائے کمر میں بھی دلچسپی لیا کرو۔“

”پاپا کے بھی آپ نے ہی کان بھرے ہوں گے۔“

”میں تمہاری ماں ہوں، کوئی دشمن تو نہیں۔“

”چلیں ٹھیک ہے، آج سے کام دہلی کی ہی چھٹی کروادیں۔ میرے خیال میں آپ کی کافی بچت ہو جائے گی۔“

”ایسی باتیں نہیں کرتے جتنا۔۔۔ تم پریش وغیرہ کرلو، میں اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کے لئے اچھا سا ناشتہ بناتی ہوں۔“

”مجھے نہیں کرنا ناشتہ۔۔۔“ پری نے انتہائی غصے سے بات کی تھی اور پاؤں تلختی ہوئی اپنے بیڈروم میں چلی گئی تھی۔

فریحہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھی، وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی پری کے روپے کے متعلق سوچ کر پریشان ہوتی رہی، پھر اس کے لئے ناشتہ تیار کرنے لگی تھی، اس نے ناشتہ تیار کر کے لڑے

میں رکھا اور پری کے کمرے میں پہنچی گئی تھی، جہاں وہ ابھی تک سو بھلائے بیٹھی تھی، اس نے ماں کے آنے کی بھی کوئی پردہ نہیں کی تھی۔

”چلو میرا بیٹا شاہاش ناشتہ کرلو“ فریحہ نے پری کو کندھے سے ہکا کر پیادہ سے اٹھاتے ہوئے کہا تھا، لیکن پری نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، اور منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔

”اگر تم کہو تو میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں؟“ پری کی ہمارنگی کے باوجود، فریحہ ایک اچھی ماں ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

”آپ یہاں رکھ جائیں، میں خود ہی کر لوں گی“

”چلو ٹھیک ہے لیکن ناشتہ ضرور کر لینا بیٹا“ فریحہ نے پیادہ سے پری کو کہا اور پوچھل قدمیوں کے ساتھ کمرے سے نکل گئی تھی۔

فریحہ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک لا پردہ ای سے بیٹھی رہی تھی، پھر خود ہی ٹرے اٹھا کر اپنے سامنے رکھتے ہوئے ناشتہ کرنے لگی تھی۔

رات کو خادم حسین نے اپنے مقررہ وقت پر فون کیا تھا، اور ان میں ذمہ داری ہاتھ ہوئی تھیں، روز کی طرح انہوں نے کئی گھنٹے تک مسلسل باتیں کی تھیں، کئی مساجد سے تہجد کی آوازوں کی آوازیں آنے لگی تھیں، اس کے باوجود ان کی باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں، پھر انہوں نے ایک دوسرے کو فون بند کر دینے کے لئے بمشکل راضی کیا تھا، یہ ان کا روز کا معمول تھا کہ گھنٹوں باتیں کرتے رہتے تھے، پھر بھی اگلے روز یوں باتیں کر رہے ہوتے تھے، جیسے برسوں بعد ان کی بات ہو رہی ہو۔

فون بند ہو گیا تھا، پری خادم حسین کے متعلق جلدی سے سوچنے لگی تھی، اس نے سب رشتوں کو باری باری پلاڑے میں ڈال کر دیکھا تھا، اسے ان سب سے ہماری خادم حسین کا پلاڑا دکھائی دیا تھا، اس کے لئے گھر کی دلیہ کے پار ایک خوبصورت اور پرکشش دنیا آباد تھی، جس میں اسے دل و جان سے چاہنے والا، اس کا اپنا خادم حسین اس کی راہوں میں چمکیں بھجائے بیٹھا تھا، اس نے تمام پہلوؤں کا بخور جائزہ لیا تھا اور اس کے دل میں اس خیال نے اٹھوائی تھی کہ گھر میں کڑھتے رہنے سے گھر کی دلیہز پار کر جانا زیادہ بہتر تھا، یہ خیال آتے ہی اس نے یلہ چھوڑ دیا تھا اور الماری سے اپنے پیسنے کے چند جوڑے نکال کر بیک میں رکھ لئے تھے، الماری میں جو اس کا تھوڑا

بہت زور پڑا تھا اس نے وہ بھی احتیاط سے چیک میں رکھ لیا تھا اور پھر دروازے کی کڑی کھول کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کمرے سے نکل کر سنگ روم میں آ گئی تھی، اسے معلوم تھا کہ اس وقت ابھی گھروالے گہری نیند میں ہوں گے، پھر بھی وہ انتہائی احتیاط سے وہ قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی خاموشی سے مین گیٹ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی، اس نے نہ صرف اپنا پورا بدن ایک بڑی سی چادر سے لپیٹ رکھا تھا بلکہ اپنے چنڈ بیگ کو بھی چادر کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔

وہ اپنے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی تھی، مگر اب رات کی تاریکی میں آبادی سے گزر کر مین روڈ تک جاتے ہوئے وہ بہت ڈری ہوئی تھی، اس نے خود کو حوصلہ دیا اور حیرتیز قدم اٹھاتی ہوئی مین روڈ کے کنارے آ کھڑی ہوئی تھی، یہ وہی سڑک تھی، جہاں دن کے وقت گاڑیوں کا رش رہتا تھا مگر اس وقت قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی گاڑی تیزی سے اس کے پاس سے گزر جاتی تھی، جسے وہ دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی، وہ دیر تک اسی کیفیت میں وہاں کھڑی رہی، پھر ایک رکشہ اس کے پاس آ کر رکھا، رکشہ ڈرائیور نے پری کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا تھا، پری نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر اسے ڈائیوڈ کے اڈے تک چلنے کو کہا تھا، پھر رکشہ ڈرائیور کے اقرار پر وہ رکشے میں بیٹھ گئی تھی۔

رکشہ چلتے ہی وہ کچھلی سیٹ کے ایک کونے میں سٹ کر بیٹھ گئی تھی، دور دراز سے فجر کی اذان کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، پھر اس کے بعد بہت سی مساجد میں اذانیں ہونے لگی تھیں، وہ واڈے پر پہنچ کر رکشے سے اتری تو صبح کی پورے پچھوٹے لگی تھی اور بالکی بالکی روشنی دکھائی دینے لگی تھی، ابھی اتاری گاؤں سے معلوم کرنے پر یہ چلا کہ ملتان سے لاہور جانے کے لئے روانہ ہونے والی گاڑی میں ابھی کچھ وقت تھا، لیکن اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی، اس لئے وہ اس کے بعد جانے والی گاڑی کا ٹکٹ لے کر وینٹک روم میں بیٹھ گئی تھی۔

پری نے اس ڈر سے کہ کوئی جان پہچان والا شخص وہاں نہ آ جائے، چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا، اس نے اپنے آنے کی خبر دینے کے لئے خادم حسین کا نمبر دیا تھا، بار بار تیل ہو رہی تھی، لیکن وہ اٹھا نہیں رہا تھا، خادوم حسین کے فون اینڈ نہ کرنے پر اس کو تنویر بخش ہو رہی تھی، مگر اس نے اپنی کوشش جاری رکھی تھی، خادم حسین اس وقت گہری نیند میں تھا، اس لئے اسے سو بائل کی تیل سنائی نہیں دی تھی، پھر اس نے فون کی تیل کانوں میں پڑنے پر آنکھیں ملنے ہوئے پتہ دیکھے بغیر کہ وہ کس کی کال تھی، فون اینڈ کر لیا تھا۔

”میں پری بول رہی ہوں“ فون اٹینڈ کرنے پر پری نے موبائل اپنے ہونٹوں کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا۔

پری کی آواز سنتے ہی اس کی ساری سستی ختم ہو گئی تھی مگر وہ اس وقت پری کا فون آنے پر پریشان ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اس لئے فوراً بولا۔ ”اتنی صبح صبح فون کیا ہے سب خیر تو ہے ناں؟“

”میں تمہارے پاس لاہور آ رہی ہوں“

”لاہور...!!؟؟؟“

”میرے وہاں آنے پر خوش ہونے کی بجائے تم تو پریشان ہو گئے ہو“

”مگر راست کوئی تو ہماری بات ہوئی تھی، اس وقت تو تم نے کوئی ذکر نہیں کیا تھا“

”دل کے فیصلے اسی طرح اچانک ہوا کرتے ہیں فی الحال اتنا بتا رہی ہوں کہ میں تمہارے لئے گھر سے بھاگ آئی ہوں، میں اس وقت ڈائجسٹو کے ڈسٹرکٹ پر ٹیبلٹیں ہوں، ٹھیک سات بجے یہاں سے گاڑی روانہ ہو گی، داور بارہ بجے تک لاہور پہنچ جائے گی، میں جہیں گاڑی کا نمبر اور دیگر تفصیلات بھی بھیج کر رہی ہوں، اس کے بعد میرا موبائل بند ہو گا، اس تم نام پڑا لنڈو کے ڈسٹرکٹ پر پہنچ جاتا...“ بات کرتے ہی پری نے کال کاٹ دی تھی۔

اس لئے خادم حسین کوئی بات کہ نہیں پایا تھا، پری نے خادم حسین کو بھیج کرنے کے بعد فون آف کر کے بیگ میں رکھ لیا تھا اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھی وہاں آنے جانے والوں کو دیکھنے لگی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد پری کو احساس ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچانیں گے کیسے، یہ خیال آتے ہی اس نے بیگ سے موبائل نکال کر آن کرتے ہی پھر سے خادم حسین کا نمبر ڈائل کیا تھا، اس بار خادم حسین نے پہلی ہی کال پر فون اٹینڈ کر لیا تھا۔

”مجھے ابھی ابھی یہ خیال آیا کہ ہم ایک دوسرے کو پہچانیں گے کیسے...؟“

”جی سوچ کر میں پریشان ہو رہا تھا“

”میں اپنے بارے میں بتا دوں کہ میں نے سرخ پھولوں والی شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور میرے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ہی جنڈ بیگ ہو گا۔“ پری نے اپنے بارے میں بتایا تھا، پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”اور میں تمہیں کیسے پہچان پاؤں گی؟“

پری کا سوال سن کر ایک پل کو خادم حسین الجھڑا کر دیا تھا، پھر جلدی سے سمجھل کر بولا: ”میرے ہاتھ میں گلاب کا سرخ پھول پکڑا ہوگا“

”how romantic“ خادم حسین کی بات سن کر پری نے چپکتے ہوئے کہا تھا، پھر خود ہی بولی: ”اچھا اب میں سو ہاگل آف کر رہی ہوں، باقی باتیں ملنے پر ہوں گی“

پری کے فون اور گھر سے بھاگ آنے کی خبر نے خادم حسین کی فینڈاڑا کر دکھادی تھی، اس نے تو کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا کہ محض دل گلی کی خاطر فون پر کی جانے والی باتیں کبھی ایسا روپ دھار لیں گی، موسم کافی خوشگوار تھا مگر وہ پسینے میں بھیگ گیا تھا، فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان حالات میں کیا کرے، مگر کچھ دیر بعد ہی اس نے یہ سوچ کر خود کو سمجھایا تھا کہ سب سے پہلا کام پری کو لینے ڈائیو کے اڈے پر جانا تھا، جس کے لئے آفس سے چھٹی کا کوئی نہ کوئی بہانہ بنانا اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، پھر جب وہ پری کو گھر لے آئے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے گھر والے پری کو دیکھ کر خوش نہ ہوں۔

سارے پروگرام کی منصوبہ بندی کرنے میں کافی وقت لگ گیا تھا، کوثر بیٹے کے لئے ناشتہ تیار کئے بیٹھی تھی، لیکن وہ ابھی تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا، اس لئے اسے فکر لگ گئی تھی اور وہ اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

”آج دفتر نہیں جانا کیا...؟“ کوثر نے کمرے میں داخل ہونے پر خادم حسین کو چارپائی پر لیٹے دیکھ کر

سوال کیا تھا۔

”نہیں ماں آج آفس نہیں جانا“

”خیر تو ہے ہیں...؟“

”ہاں... آج میں تمہارے لئے بہو لینے جا رہا ہوں“ خادم حسین نے ماں کے قریب ہوتے ہوئے لاڈ سے بات کی تھی۔

”پاگل نہ ہو تو... رشتے ہوں رہا، چلتے تھوڑے سی مل جاتے ہیں... ویسے بھی ہم غریبوں کو، کوئی ہمارے جیسا غریب ہی رشتہ دے گا“

”اگر میں کوئی پری تمہاری بہو بنا کر لے آؤں... تو تم کیا کہو گی؟“ جیسا، ماں کو صبح ہی صبح جھٹکے پہ جھکا دے دیا تھا، اس لئے ماں لا جواب ہوئی خاموش کمزری بیٹے کو دیکھتے جا رہی تھی، بیٹے کی باتیں سن کر اس کی آنکھوں

میں آنسو تیرنے لگے تھے، وہ بیٹے کی باتوں کی گہرائی کو سمجھ نہیں پاتی تھی اور انہیں حراق سمجھ کر جاتے جاتے کہہ گئی تھی "جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ تمہارا ناشتہ بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

خادم حسین نے اپنے آپس نہ آنے کی اطلاع دے دی تھی اور ہاتھ روم میں گھس گیا تھا، خنانے کے بعد اس نے اپنی پسندیدہ چٹنٹ اور میچنگ شرٹ پہنی تھی، بھرناشتہ کر کے گھر سے نکل پڑا تھا، اس نے پھولوں کے سٹال سے سرخ گلاب کا ایک پھول ٹیپی سیٹ خرید کر بیک کر دیا تھا اور بس میں بیٹھ کر انجمود کے لڑے کے سامنے جا اتر تھا۔ ابھی گاڑی کے آنے میں کافی دقت تھا، دو ویلنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنے کی بجائے باہر کھڑا ٹھٹھنے لگا تھا، جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا، خادم حسین کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی، اس نے پری سے بات کرنے کے لئے ایک دو بار فون مٹانے کی کوشش کی تھی لیکن فون مسلسل آف جا رہا تھا، فون آف کرنے کے بارے میں پری نے اسے پہلے سے بتا دیا تھا مگر اس کی بے قراری کو کسی بھی طرح قرار نہیں آ رہا تھا۔



صبح سے دو پہر ہو گئی تھی، مگر ابھی تک پری کے گھر میں سے کسی کو بھی اس کے گھر سے بھاگ جانے کے بارے میں علم نہیں ہوا تھا، پری کی بہن اور دونوں بھائی اپنے اپنے کالجوں میں کب کے جا چکے تھے، نو انوکھی اپنے کام کے لئے گھر سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی، ان کے ہاں کام کے لئے آنے والی ماسی پورے گھر کی صفائی کے بعد آخر میں پری کے کمرے کی صفائی کے لئے آئی تھی، وہ ہر روز اسی وقت صفائی کے لئے وہاں آتی تھی، اس کے آنے پر پری بھی بیڈ چھوڑ کر واش روم میں جا گھس گئی تھی، آج پری کو وہاں نہ پا کر ماسی کو تشویش ہوئی تھی، کیونکہ اس نے گھر کی صفائی کے دوران بھی کہیں پری کو گھر میں نہیں دیکھا تھا اور اب وہ اپنے بیڈ روم میں بھی موجود نہیں تھی۔

"بی بی جی .. پری بی بی گھر میں بھی کیسے دکھائی نہیں دی اور اپنے کمرے میں بھی نہیں .. کہیں گئی ہے کیا ؟" ماسی نے پری کے کمرے کی صفائی سے فارغ ہونے کے بعد فریج کے پاس آ کر دریافت کیا تھا۔ ماسی کی بات سن کر فریج کو چمکا دیا تھا اور چہرے کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی تھی، مگر اس نے فوری طور پر خود کو سنبھالا اور بولی .. "وہ آج سندس کے ساتھ اس کے کالج گئی ہے، تھوڑی دیر میں آ جائے گی" فریج نے ماسی کو ٹانگے کے لئے جھوٹ بولا تھا اور وہ فریج کے جواب سے مطمئن ہو کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

ماسی چلی گئی تھی مگر فریج کا پورا بدن کانپنے لگا تھا، اس کو گھر کی ہر چیز کھو جاتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی قریب تھا

کہ وہ چکرا کر گر پڑتی، دوسرا سس لینے کی خاطر کچھ دیر کے لئے صوفے پر بیٹھ گئی تھی، کچھ دیر بعد اس میں اتنی صحت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پری کے بیڈروم میں جا کر خود حالات کا جائزہ لے سکے، وہ دو پھل قدموں کے ساتھ پری کے کمرے تک پہنچی تھی، کمرے کے علاوہ اس نے داخل روم کا دروازہ کھول کر بھی دیکھا تھا مگر پری کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی، اس کے بعد اس نے اپنی تسلی کے لئے کمر کا ایک ایک کونہ جھان مارا تھا، لیکن پری کہیں بھی نہیں تھی، فریج پر سوچا کہ پریشان ہو رہی تھی کہ اگر وہ کمر میں نہیں تو پھر کہاں چلی گئی تھی۔

فریج نے اپنے صوبائل سے کئی بار پری کا نمبر ملایا تھا مگر وہ آف جا رہا تھا، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کمرے لڑکھا کرے۔ وہ دیوانوں کی طرح پری کو کمر میں یہاں وہاں ڈھونڈتی ہوئی ایک بار پھر پری کے بیڈروم میں چلی آئی تھی اور اس بار اس کے کمرے کی الماری کھول کر دیکھی تھی، الماری سے اس کے پہننے کے کچھ جوڑے اور جیولری غائب تھی، تھوڑی ہی دیر میں اس کی حالت اس پاگل کی سی ہو گئی تھی، جس کے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے چکی ہوں، جب اسے کوئی اور راہ دکھائی نہ دی تو اس نے نواز کو پری کے بارے میں تمام حالات سے آگاہ کر دیا اور خود پری کے بیڈ پر ہی ڈھیر ہو گئی۔

بچی کے کمر سے غائب ہو جانے کے بارے میں جان کر نواز اسی وقت آفس سے نکل پڑا تھا، اس نے راستے میں ہی آتے ہوئے اپنے دونوں بیٹوں، فضیل اور فاروق کو بھی صوبائل پر فون کر کے فوراً گھر آنے کو کہہ دیا تھا، نواز کے گھر پہنچتے تک فریج، پری کے کمرے سے اٹھ کر ڈرائیگ میں آگئی تھی اور اب سر پکڑے بیٹھی تھی، نواز اس کے پاس ر کے بغیر پری کے بیڈروم کی طرف گیا تھا، اسے دیکھ کر فریج بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی، بیڈروم میں پہنچتے پر فریج نے پری کے بیڈروم کی الماری کھول کر دکھائی تھی، وہ دونوں ابھی وہیں کھڑے تھے کہ فضیل اور فاروق بھی وہیں پہنچ گئے تھے۔

”آئی کو فون کر کے دیکھنا تھا۔ شاید کسی دوست کے پاس گئی ہوں“ فضیل نے اپنی رائے دی تھی۔
 ”کلی ہار فون کر کے دیکھا ہے، اس کا صوبائل مسلسل آف جا رہا ہے“ فریج نے فضیل کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔

”میں فرانی کر کے دیکھتا ہوں۔۔۔ شاید بیٹری ڈاؤن ہو، اب آن کر لیا ہو“ یہ کہتے ہوئے فضیل، پری کا نمبر ملانے لگا تھا، اسے دیکھ کر فاروق بھی اپنے صوبائل سے پری کا نمبر لڑائی کرنے لگا تھا۔



گامی مقررہ وقت پر پہنچی تھی، مگر خادم حسین نے طویل انتظار کیا تھا، اب اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں، گامی اپنے زینٹل پہاڑ کر رک گئی تھی اور ایک ایک کر کے مسافراترے گئے تھے، اس نے گلاب کے پھول والی ٹینٹی جیب میں ڈال رکھی تھی اور ایک طرف کھڑا، گامی سے اترنے والے ہر مسافر کو بخور دیکھ رہا تھا، ادھر گامی میں ہلکی پری کی بے تاب نگاہیں اپنے پہنوں کے رقبہ کو تلاش کر رہی تھیں، لیکن وہ اسے نہیں دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ سب سے آخر میں گامی سے اتری تھی، سفر کے دوران ہی اس نے اپنے اوپر لی ہوئی چادر اتار کر ہیک میں رکھ دی تھی اور جو سوٹ اس نے پہن رکھا تھا، اس کے ساتھ کا پیچنگ دوپٹے لگے میں ڈال لیا تھا، خادم حسین نے سرخ پھولوں والی شلوار ٹھیک پہنے اترنے والی لڑکی کو دور سے ہی پہچان لیا تھا، اس کا جسم قدرے بھاری تھا، چھوٹی چھوٹی، گول گول ہڈیوں جیسی آنکھیں تھیں اور رنگت بھی سیاہ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی، وہی لڑکی جو کچھ لمبے پہلے تک اس کے پہنوں کی رانی تھی، اب وہ اسی لڑکی کو سامنے پا کر حیران و پریشان کھڑا دیکھ رہا تھا، گامی سے اترنے کے بعد اپنے ناوید و محبوب کو نہ پا کر پری پریشان کھڑی تھی، اس کی بے تاب نگاہیں اپنے محبوب کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں، خادم حسین اپنی جگہ پر کھڑا یہ سارا منظر اپنی نظروں سے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے گلاب کا پھول جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور آہستہ آہستہ پری کی جانب بڑھنے لگا، پری نے بھی ہاتھ میں گلاب کا سرخ پھول لئے ایک دبلے پتکے اور داہنی ہی ٹھل دصورت کے نوجوان کو انگڑا کر چلتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

جیسے جیسے وہ لڑکا، پری کے قریب ہوتا جاتا تھا، پری کے دل سے بار بار یہی سوال اٹھتا تھا "کیا انگڑا کر چلتا ہوا اس کی طرف آنے والا نوجوان ہی اس کے پہنوں کا رقبہ تھا؟"۔ اب خادم حسین ہاتھ میں گلاب کا پھول پکڑے پری کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، اور وہ دونوں کی تعارف کے بغیر ہی ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے، لیکن ہر رات موہاگل پر گھنٹوں باتیں کرنے والے، آج ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے، مگر ان کے لب خاموش تھے، ان کے چہروں پہ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی کے کہیں کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے، ایسا دکھائی دے رہا تھا، جیسے ان کے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے تھے، اور ان کے پہنوں کا آج نکل نہیں پوس ہو چکا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو پری؟" خادم حسین نے خاموشی کو توڑنے کے لئے بات کی تھی۔

”تم نے مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں۔۔۔؟“

”کون سی بات؟“

”یہی کہ تم دونوں ٹانگوں سے مخدور ہو“

”بس اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوگی۔“

”پھر تو تم نے مجھ سے اور بھی نہ جانے کیا کیا چھپایا ہو گا اور کتنے ہی جھوٹ بولے ہوں گے“

”میرے خیال میں یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں۔ ہم کہیں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں“

”جو کچھ کہنا ہے کہیں کہو“

”اچھا ہم وہاں سامنے اس بیچ پر تو بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں ناں۔“ خادم حسین نے ایک خالی بیچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا اور پری کا جواب سنے بغیر اس بیچ کی طرف چل پڑا تھا۔ پری بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوئی تھی خادم حسین کے کہنے پر پری بیچ پر بیٹھ گئی تھی، مگر وہ خود کھڑا رہا تھا۔

پری کو دیکھ کر خادم حسین بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا اسے نہیں معلوم تھا کہ جس لڑکی کی آواز نے اسے اپنے صبر میں گرفتار کر رکھا تھا اور دیکھنے میں قابل قبول صورت کی مالک بھی نہیں ہوگی اسے کچھ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، انتہائی سوچ بچار کے بعد اس نے اس معاملے میں ایڈوکیٹ عادل سے مشورہ کرنے کا پروگرام بنالیا اور فون کرنے کے لئے پری سے معذرت کر کے ایک طرف ہو کر نمبر ملانے لگا۔

”سر میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا“ ایڈوکیٹ عادل کے فون انٹینڈ کرنے پر خادم حسین نے ہمت کر کے بات کی تھی۔

”ہاں کہو۔ میں سن رہا ہوں“

ایڈوکیٹ عادل سے اجازت ملنے پر خادم حسین نے اپنے اور پری کے بارے میں تمام باتیں مکمل کرنا دی تھیں، ایڈوکیٹ عادل نے خادم حسین کی باتیں اطمینان سے سنی تھیں اور اس کی کم عقلی اور بیوقوفی پر اپنا سر ہلکا کر بیٹھ گیا تھا۔

”اس سے پہلے کہ تم کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ۔ کسی بھی طرح لڑکی کو فوری طور پر واپس ملتان جانے والی گاڑی پر بٹھا دو۔ اور اپنا سو پاگل آف کر کے آفس آ جاؤ“ ایڈوکیٹ عادل نے اپنی بات کرتے ہی

خادم حسین کا جواب سنے بغیر کال کاٹ دی تھی۔

ایڈووکیٹ عادل کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خادم حسین نے سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ جلدی سے اپنا سوا کمال آف کر دیا۔ پھر واپس پری کے پاس آکر کھڑا ہوا تھا۔

”میں جانتا ہوں، مجھے دیکھ کر تمہیں سخت مایوسی ہوئی ہوگی۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم ابھی اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔“

”یہ میرا پائل ہے، میں تمہاری آواز کی خوبصورتی کے پیچھے بغیر ہر کچھ سے بچے گھر کی دلہیز پار کر آئی۔ میں جانتی ہوں کہ مجھے جیسی بھدی لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لئے کوئی بھی آسانی سے تیار نہیں ہو گا۔ اس کے باوجود میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے اسی قدر ٹوٹ کر چاہے، جس قدر کسی انتہائی خوبصورت اور جاذب نظر لڑکی کا شوہر اسے چاہتا ہے۔ لیکن کچ تو یہ ہے کہ تم سے بھوری تو کی جا سکتی ہے۔ محبت نہیں۔“

پری کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ خادم حسین کا سینہ زخمی کر گئے تھے، لیکن وہ پری کو کیسے کہتا کہ وہ تو خود اس سے جان چھوڑانے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا، اس کی بھی خواہش تھی کہ بے شک وہ فانی زندہ ناگھوں کی وجہ سے نکلتا کر چلا جائے اور شکل و صورت بھی بس قائل قبول ہی ہے مگر اس کی بیوی نہ صرف خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہو بلکہ اسے ٹوٹ کر چاہنے والی بھی ہو مگر اسے دیکھ کر تو خود کو کلفت ملامت کرنے کو دل چاہ رہا تھا، کیا یہی وہ پری تھی جس کی آواز نے اس کی فینڈیں انداز رکھی تھیں۔

”اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جہاں سے آئی ہو وہیں لوٹ جاؤ۔“ خادم حسین نے پری کی بات کا برا منانے یا بات بڑھانے کی بجائے سکون سے بات کی تھی۔

”اب میں کس منہ سے واپس لوٹ جاؤں۔ میرے پاپا تو مجھے زندہ دفن کر دیں گے۔“

”میرے خیال میں تو تمہارے واپس جانے پر انہیں سکھ کا سانس آ جائے گا۔ اور ماں باپ تو ہمیشہ سے اپنے بچوں کی غلطیاں معاف کرتے آئے ہیں۔ وہ بھی تمہیں معاف کر دیں گے۔“

خادم حسین کی بات سن کر پری کی آنکھوں میں آنسو میرنے لگے تھے، اس کی باتوں کا جادو پھر سے اس پر چلنے لگا تھا، اس نے خاموشی سے گردن جھکا دی تھی اور آہستہ سے ہولی تھی۔

”میں واپس نہیں جاؤں گی۔“

”دیکھو۔ واپس تو تمہیں چاہنا ہی ہوگا۔ محبت اور دل لگی میں فرق ہوتا ہے۔ تمہارے اور میرے

درمیان آواز کا جو رشتہ قائم تھا۔ وہ محبت کہاں تھی۔ وہ تو وقت گزاری کا ایک ذریعہ تھا۔ تمہیں اپنی
تہا نبوں میں کوئی باتیں کرنے والا چاہئے تھا۔ اور مجھ دل گلی کے لئے کسی تم بھی لڑکی کی تلاش تھی۔
”مگر میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔“

”میں نے کہا ناں۔ جب ہم ایک دوسرے کے یہ عار پر پورے نہیں اتر رہے تو ہمیں اپنی اپنی جگہوں
پر لوٹ جانا چاہئے۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ اگر ہم کسی مصلحت کے تحت شادی کر بھی لیتے ہیں، تو
یہ شادی زیادہ دنوں تک نہیں چل پائے گی۔۔۔ کیونکہ جب دل ایک دوسرے کو قبول نہ کر رہے ہوں تو بھلا بہت
مشکل ہو جایا کرتا ہے۔“

پری، خادم حسین کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دے پائی تھی اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی۔
”تم یہیں بیٹھو۔ میں ملتان جانے والی گاڑی کا پتہ کر کے آتا ہوں“ خادم حسین نے پری کی خاموشی کو
رضامندی جان کر بات کی تھی اور نکھڑی آنکھ کی طرف جھل پڑا تھا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں“ بات کرتے ہی پری بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور خادم حسین کے پیچھے
پیچھے چل پڑی تھی۔

ٹھیک چند روز بعد ملتان کے لئے گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اس میں سیٹ بھی مل سکتی تھی، پری نے
ٹکٹ لینے کے لئے اپنے بیگ سے پیسے نکال کر خادم حسین کے ہاتھ میں تھما دیے تھے، خادم حسین کی جیب میں
اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ پری کو ٹکٹ لے دیتا، اس لئے اس نے خاموشی سے پری سے پیسے لے کر ملتان جانے کے
لئے ٹکٹ کی ادائیگی کر دی تھی، وہ خادم حسین سے ٹکٹ لے کر خاموشی سے دینگ روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور خادم
حسین وہیں کھڑا رہ گیا تھا، پری نے دینگ روم میں جاتے ہی بیگ سے چادر نکال کر پھر سے خود کو اچھی طرح
لپیٹ لیا تھا، جبکہ خادم حسین تیزی سے وہاں سے نکل گیا تھا۔



وقت گزرتا جا رہا تھا، مگر ان کے مسئلہ ری ڈائل کرنے پر فون آف جا رہا تھا، انہوں نے سندس کے
موبائل پر بھی کال کر کے پری کے متعلق پوچھا تھا، مگر اسے بھی پری کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا، پھر کچھ دیر بعد
وہ بھی بہن کی پریشانی کی وجہ سے ہاتی کے چرپے چھوڑ کر کالج سے واپس گھر چلی آئی تھی۔

نواز کا شمار ملکن کے ان چند گئے چنے کاروباری لوگوں میں ہوتا تھا، جن کی کاروباری مصلحتوں میں ابھی ساتھ تھی، وہ کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا، جس کی وجہ سے اس کی بدنامی ہو اور لوگوں کو ہاتھ بٹانے کا موقع ملے، اس لئے اس نے پولیس میں رپورٹ کھسکوانے کی بجائے اپنے طور پر اس معاملے کو حل کرنے کا پروگرام بنالیا تھا، اس نے کسی نہ کسی طرح چھپے ایک ماہ سے پری کے موبائل سے کی جانے اور وصول ہونے والی کالز کا ریکارڈ حاصل کر لیا تھا، جس سے باآسانی اس بات کا پتہ چل گیا تھا کہ جس نمبر سے پری کو کالز آتی رہیں، پری نے اسی نمبر پر آخری کال کی تھی۔

پری نے جس نمبر پر کال کی تھی نواز نے اس سے رابطہ کرنے کے لئے وہی نمبر دیا تھا، مگر وہ نمبر بھی آف تھا، پھر بھی اپنی تسلی کے لئے اس نے کئی بار ری ڈائل کیا تھا، لیکن ہر بار موبائل کے آف ہونے کی اطلاع دی جا رہی تھی، اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ کسی طرح یہ معلوم کیا جائے کہ وہ نمبر جس کے استعمال میں تھی، اس کا نام اور پتہ حاصل کر کے اس کے پاس پہنچا جائے، یہاں بھی نواز کے تعلقات کام آئے تھے اور اس نے جیسے جیسے مکمل معلومات حاصل کرنی تھیں، پریشانی کی بات یہ تھی کہ پری نے وہ نمبر ایڈوکیٹ خادم حسین کے نام سے سبوتا کیا ہوا تھا، جبکہ ریکارڈ کے مطابق وہ خادم ایڈوکیٹ عادل کے نام پر جاری ہوئی تھی، اور اس پر عادل جیکبہ ماڈل ٹاؤن پکھری والا ہو رہا ایڈریس درج تھا۔

ان معاملات میں الجھنے کا وقت نہیں تھا، نواز نے فوری طور پر فیصل کو اپنے ساتھ لاہور جانے کو کہا تھا اور غاروق کو گھر میں ہی رہنے کی ہدایت کی تھی، تاکہ اگر وہاں کہیں اور ادھر جانا پڑ جائے تو وہ گھر میں موجود ہو، پھر کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی کار میں لاہور کے لئے روانہ ہو گئے تھے، نواز خود کار ڈرائیو کر رہا تھا، فیصل اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا تھا، نواز کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کسی طرح چمک چمکنے سے پہلے ملتان سے لاہور پہنچ جائے، وہ کار کو آڑا ہوا لے جا رہا تھا، فیصل کی نظر اچانک سپینڈیلر پر پڑی تھی، گاڑی ایک سو چالیس کی رفتار سے دوڑ رہی تھی، اس بات کا بھی خطرہ تھا کہ پریشانی اور اور سپینڈیلر کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش آ جائے، سی این جی سٹیشن بند ہونے کی وجہ سے گیس ملنا ممکن نہیں تھا، اس لئے فیصل نے کسی پٹرول پمپ سے پٹرول کی نیچکی خل کروانے کے لئے رکنے کو کہا تھا، نواز کے بس میں ہوتا تو وہ پٹرول ڈلوانے کے لئے بھی کہیں گاڑی نہ روکتا، لیکن پٹرول ڈلوانا بھی ضروری تھا، اس لئے اگلا پٹرول پمپ آنے پر وہ پٹرول ڈلوانے کے لئے رک گئے تھے، پروگرام کے مطابق پٹرول ڈلوانے کے بعد فیصل نے ڈرائیو تک سیٹ سنبھال لی تھی۔

”تم اپنی جگہ پر جا کر بیٹھو۔ گاڑی مجھے چلانے دو“ نواز نے تفصیل کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے دیکھ کر کہا تھا۔
 ”آپ تھک گئے ہوں پاپا۔ اب گاڑی میں چلا تا ہوں۔ آپ سکون سے کچھل سیٹ پر بیٹھ جائیں۔“
 تفصیل نے ایک سعادت مند بیٹے کی طرح بات کی تھی۔

بیٹے کی بات سن کر نواز نے مزید کوئی بحث نہیں کی تھی اور خاموشی سے گاڑی کی کچھل سیٹ پر جا بیٹھا تھا، ایک بار پھر گاڑی فرارے بھرنے لگی تھی نواز نے جب سے سو بائیں نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا اور پری کا نمبر ملانے لگا تھا، اس نے کئی بار کوشش کی تھی، لیکن اس کا سو بائیں آف جا رہا تھا، پھر وہ خادم حسین کا نمبر لڑائی کرنے لگا تھا، لیکن وہ بھی ابھی تک آف تھا، جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا، نواز کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی زندگی میں اسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، جب وہ روٹا بھی چاہے گا تو روٹ نہیں پائے گا۔

کاروباری سلسلے میں نواز کا اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا، اس لئے لاہور کے بھی راستے اس کے دیکھے بھالے تھے، وہ کسی سے پوچھے اور کہیں ر کے بغیر ماڈل ٹاؤن پکھری پہنچ گئے تھے، انہوں نے مناسب جگہ دیکھ کر گاڑی پارک کر دی تھی اور پکھری کے اندر چلے گئے تھے، پکھری میں ابھی تک گہما گہمی تھی، وکیل اپنے اپنے چیمبر میں بیٹھے تھے، وہ ہاپ ریٹا بھی ایک درجہ سے پوچھتے ہوئے عادل جیمبر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے، جہاں ایڈوکیٹ عادل اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ سانکوں کے ساتھ کیس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔

ایڈوکیٹ عادل کو اس بات کا پہلے سے خدشہ تھا کہ ٹرکی کے وارنٹ مو بائیں نمبر کے ذریعے معلومات حاصل کر کے کسی بھی وقت وہاں پہنچ سکتے تھے، اس لئے اس نے خادم حسین کو سو بائیں آف رکھنے اور جب تک وہ نہ بلائے اس وقت تک ساتھ والے جیمبر میں بیٹھنے کو کہا تھا، اس نے فٹنی کو بھی تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا، وہ ذہنی طور پر خادم حسین کے معاملے میں الجھا ہوا تھا، لیکن بظاہر خود کو سانکوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف رکھے ہوئے تھا۔

”ایڈوکیٹ خادم حسین ہمیں ہوتا ہے کیا۔“ کچھ دیر عادل جیمبر کے باہر کھڑے رہ کر ہانڈہ لینے کے بعد نواز اور تفصیل فٹنی کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے، اور خادم حسین کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

”ایڈوکیٹ خادم حسین۔“ ”؟؟“ خادم حسین کے نام کے ساتھ ایڈوکیٹ کا اضافہ سن کر فٹنی نے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

”جی نہیں تو یہی بتایا گیا تھا۔“

”عادل جیسے میں جو کیل ہیں، ان میں سے تو کسی کا بھی نام خادم حسین نہیں ہاں ہمارے پاس خادم حسین نام کا ایک لڑکا ہے، مگر وہ تو آفس کے چھوٹے سونے کا سونے کے لئے رکھا ہوا ہے۔“

منشی کے منہ سے خادم حسین کے بارے میں جان کر نواز اور فضیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا، پھر نواز، منشی کی طرف متوجہ ہوا اور بولا..... ”کیا اس سے ملاقات ہو سکتی ہے؟“

”مگر آج تو وہ نہیں آیا۔“

منشی کا جواب سن کر باپ، بیٹے کے چہرے پر ایسی کی لہر کھیل گئی تھی اور وہ کسی سوچ میں پڑ گئے تھے، ایڈوکیٹ عادل نے اپنے کمرے میں بیٹھے، انہیں منشی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا، اس نے پاس بیٹھے ہوئے سائیکلو کو جلدی سے فارغ کر دیا تھا اور منشی کو بلا کر ان کے بارے میں دریافت کیا تھا، پھر منشی کے بتانے پر انہیں اپنے پاس بھیجنے کو کہا تھا، ایڈوکیٹ عادل کے پیغام پر وہ دونوں اس کے سامنے آ بیٹھے تھے، ان دونوں کے چہروں سے تھکاوٹ کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے، ایڈوکیٹ عادل نے ان کے ہنستے ہی منشی کو چائے کے لئے کہہ دیا تھا۔

”منشی بتا رہا تھا کہ آپ خادم حسین سے ملنا چاہ رہے ہیں...“ ایڈوکیٹ عادل نے انتہائی نرم لہجے میں سوال کیا تھا۔

”ہمیں تو ایڈوکیٹ خادم حسین کا پتہ چلا تھا..... لیکن آپ کا منشی بتا رہا ہے کہ وہ یہاں آفس ہوائے ہے۔“

”جی خادم حسین کو میں نے آفس کے کاموں کے لئے رکھا ہوا ہے۔ اور وہ ایڈوکیٹ تو کیا، ڈیپارٹمنٹ پاس بھی نہیں ہے۔“ ایڈوکیٹ عادل نے بات کھول کر بیان کر دی تھی، پھر بولا۔ ”آپ کے چہروں سے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے آپ کو کوئی پریشانی ہے۔ اگر میں آپ کے کسی کام آ سکتا ہوں تو آپ مجھے بتائیں۔“

”ہم اس کی تلاش میں مکان سے یہاں آئے ہیں۔ اور اگر ایک بار وہ ہمیں مل جائے تو ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

”اگر کوئی ایسی بات ہے تو میں اسے سنیں بلا لینا ہوں۔ پھر مجھے کہ بات کر لیں گے۔“

”وہ۔۔۔ وہ میری بیٹی کو فون کرتا رہا ہے، آج صبح سے وہ کمر میں نہیں، آخری بار میری بیٹی نے اسی کے نمبر پر بات کی تھی۔“

”یہ تو بہت دکھ کی بات ہے۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں“ ایڈوکیٹ عادل نے افسردہ لہجے میں بات کی تھی اور پھر اپنے موہاگل سے خادم حسین کا نمبر ملانے لگا تھا، وہ جانتا تھا کہ اسی کے کہنے پر خادم حسین نے اپنا موہاگل آف کر رکھا تھا، پھر بھی ان دونوں کی تسلی کے لئے اس نے خادم حسین کا نمبر ملانے کی بار بار کوشش کی تھی۔

”اس کا نمبر تو بند جا رہا ہے۔ میں فحشی کو بھیج کر ابھی اسے بلا لیتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں، ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔ اگر خادم حسین نے ایسی کوئی نیچ حرکت کی ہوگی تو آپ سے پہلے، میں اسے سزا دوں گا“ ایڈوکیٹ عادل نے انہیں مکمل یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا تھا، پھر فحشی کو خادم حسین کو وہاں لانے کے لئے بھگوا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گازئی وقت مقررہ پراڈے سے نکل گئی تھی، مکان سے لاہور جاتے ہوئے اس نے راستے میں ایک بار بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اس کے گھر سے عاب ہو جانے پر اس کے گھر والوں پر کیا بیچے گی، بس خیال تھا تو اسے اپنے خوابوں کو پالنے کا مگر وہ خواب منزل پر پہنچنے ہی ٹوٹ گئے تھے، وہ شکل و صورت کا اچھا ہوتا، گاڑیوں اور بنگلوں کا مالک ہوتا یا پھر سوسائٹی میں اس کا کوئی مقام ہوتا، تو پھر بھی بات بن سکتی تھی، مگر وہ تو شکل سے ہی کونکا لگ رہا تھا، ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہوتا، اس لئے وہ جس مقام سے چلی تھی، وہیں لوٹ جانے میں ہی سمجھداری تھی، یہی سوچ کر وہ بلاتا خیر گھر کی جانب واپس چلی پڑی تھی، اس نے کئی بار چاہا کہ وہ موہاگل آن کر کے اپنے اہل خانہ کو اپنے بارے میں اطلاع کر دے لیکن ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی، پھر کبھی دیر بعد اس نے یہ سوچ کر موہاگل آن کر لیا تھا کہ اگر اس کے گھر والے اس سے بات کرنے کی کوشش کریں تو باآسانی بات ہو سکے۔

☆ ☆ ☆

”لیس جناب آگیا خادم حسین۔“ ایڈوکیٹ عادل نے فحشی کے ساتھ خادم حسین کو آتے دیکھ کر اپنے سامنے بیٹھے نواز اور فیصل کو بتایا تھا۔

نواز اور فیصل کے چہرے ایڈوکیٹ عادل کی طرف تھے، اس لئے وہ اسے دیکھ نہیں پائے تھے، ایڈوکیٹ عادل کے تھانے پر ان دونوں نے ایک ساتھ گرون کھما کر دیکھا تھا، خادم حسین، فحشی کے پیچھے پیچھے نظر آ کر چنا

ہوا آ رہا تھا، جیسے ہی خادم حسین کمرے میں داخل ہوا، فضیل پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے گریبان سے پکڑ کر اوپر تلے تین چار گھونسلے اس کے منہ پر جڑو دیے، خادم حسین دور جا کر اٹھا اور اس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔
 ”تمہاری اتنی ہمت کہ تم نے میری آنٹی کو اپنی پچھلی چڑی اور چھوٹی بچی باتوں سے درغلا پاؤ اور گھر سے بھاگ لائے۔۔۔ اگر میری بہن کو کچھ ہو گیا تھا تو زندہ تم بھی نہیں رہو گے۔“ فضیل نے ایک بار پھر خادم حسین کو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھانے ہوئے کہا تھا۔

ایڈووکیٹ عادل اور منشی نے جلدی سے آگے بڑھ کر فضیل کو خادم حسین سے الگ کر دیا تھا، نواز بھی اپنی جگہ کھڑا خادم حسین کو گھورے جا رہا تھا، ڈر تھا کہ کہیں وہ بھی خادم حسین کی پٹائی نہ کر دے۔
 ”اس طرح کے معاملات لازمی جھگڑے سے حل نہیں ہوا کرتے۔ آپ لوگ اطمینان سے بیٹھیں۔ خادم حسین ہمارے سامنے ہے، ابھی صورت حال معلوم ہو جائے گی“ ایڈووکیٹ عادل نے باپ بیٹے کو کرسیوں پر بٹھانے کے بعد پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

خادم حسین کے منہ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا، اس نے جیب سے رومال نکال کر ایک دو بار خون صاف کیا تھا، مگر خون ابھی تک چہری طرح نہکا نہیں تھا، ایڈووکیٹ عادل نے جان بوجھ کر خادم حسین کو باپ بیٹے سے دور اس خوف سے اپنے پاس بٹھایا تھا کہ کہیں کسی بات سے بھڑک کر باپ بیٹے میں سے کوئی اس پر پھر سے حملہ نہ کر دے۔
 ”یہ ملتان سے آئے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ تم ان کی بیٹی کو بھاگ کر لائے ہو۔۔۔“ ایڈووکیٹ عادل نے حقیقت حال جاننے کے لئے خادم حسین سے سوال کیا تھا۔

”میں اسے بھاگ کر نہیں لایا۔ وہ اپنی مرضی سے یہاں آئی تھی۔۔۔“ خادم حسین نے گردن ہٹکا کر ہوئے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

”جھوٹ بول رہے ہو تم۔۔۔“ نواز چیخا تھا۔
 ”اس نے گھر سے نکلنے کے بعد مجھے فون کیا تھا کہ وہ گھر چھوڑ آئی ہے۔ پھر بھی میں نے اسے یہاں پہنچنے ہی والی ملتان کی گاڑی پر بٹھا دیا تھا۔“ خادم حسین نے اپنی سنائی پیش کی۔
 ”میں کیسے مان لوں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔۔۔“
 ”آپ فون کر کے اس سے بات کر لیں۔۔۔ آپ کو خود ہی قلعی ہو جائے گی“

”اس کا فون ہی تو نہیں مل رہا۔“ نواز نے غصے سے بات کی تھی، پھر فیصل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کا نمبر ڈرائی کر کے دیکھو۔ شاید اب آن کر لیا ہو۔“

باپ کا حکم سنتے ہی فیصل اپنے موبائل سے پری کا نمبر ملائے لگا تھا، اس بار پہلی ہی کوشش سے پری کے موبائل پر بٹل ہونے لگی تھی۔

”تم کہاں ہو آئی۔ ہم سب لوگ تمہاری وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔“ رابطہ ہوتے ہی فیصل نے بلا تہیہ بات کی تھی، ابھی وہ جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ نواز نے فیصل سے موبائل لے کر اپنے کان کو لگا لیا تھا، مگر ادھر سے ابھی تک خاموشی تھی۔

”پری تم بول کیوں نہیں رہی۔ تم ٹھیک تو ہو۔“ نواز نے فون پکارتے ہی کاہنچے ہوئے بات کی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں پاپا۔“ پری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”ہم تمہاری تلاش میں لاہور آئے ہوئے ہیں مگر تم کہاں ہو؟“

”لاہور سے تو میں اسی وقت واپس آ گئی تھی۔ اب تو میں مکان پہنچنے والی ہوں۔“

”میں ابھی فون کروں گا، فاروقی تمہیں اڑے پر لینے آ جائے گا۔ بس میں بھی اس نوے لنگڑے فرائڈ شخص کو پولیس کے حوالے کر کے یہاں سے چل پڑوں گا۔“

”جی پاپا۔“ پری نے ہنسنے لگا تھا، اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

نواز کے منہ سے خادم حسین کو پولیس کے حوالے کرنے کی بات سن کر ایڈوکیٹ عادل کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور اس سے پہلے کہ نواز اس بارے میں کوئی بات کرنا فون بند ہوتے ہی وہ بول پڑا تھا۔ ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس معاملے میں جتنا کتاہ گار خادم حسین ہے، اس سے کہیں زیادہ قصور وار آپ کی بیٹی ہے۔“

”ایڈوکیٹ عادل کی بات سن کر نواز کی آنکھیں پھیل گئی تھیں، مگر وہ کچھ کہہ نہیں پایا تھا، ایڈوکیٹ عادل کہہ رہا تھا۔ ”اگر کوئی ٹرکی پیٹ چاہے کہ کوئی انجینیئرس اس سے فالو بات بھی کرے، تو میں نہیں سمجھتا کہ کسی لڑکے کو ابھی اتنی جرات ہو کہ وہ پھر سے اس لڑکی کو فون کرے۔“ اس میں کہیں نہ کہیں قصور وار ہم والدین بھی ہیں، جنہوں نے آزادی کے نام پر اپنی اولاد کو ہر طرح کی کھلی پھٹی دے رکھی ہے۔“ بات سن کر نواز کی گردن جھک گئی تھی، مگر ایڈوکیٹ عادل نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔ ”آپ کا بھرم آپ کے سامنے ہے۔ آپ اس کے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہیں، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو

جتنا اچھا لیں گے۔ اتنی ہی آپ کی بدنامی ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ کی بیٹی عزت سے واپس گھر چلی گئی۔ اب آپ بھی اسے گھر جا کر پیار سے سمجھائیں۔“

ایڈوکیٹ عادل کی بات نواز کے دل کو گئی تھی اور وہ کوئی بات کہنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا تھا، اس کے اٹھتے ہی باقی کے لوگ بھی اٹھ گئے تھے، خادم حسین ڈرا سہا پٹی جگہ پر بیٹھا رہا تھا، نواز اور فضیل ایڈوکیٹ عادل کے تعاون پر شکر یہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے تھے، ایڈوکیٹ عادل اور نشی ان دونوں کو چیمبر کے باہر تک چھوڑنے ان کے ساتھ ساتھ گئے تھے۔

☆☆☆

باپ بیٹے کا جھوک اور پیاس سے ہر احوال ہو رہا تھا، مگر انہوں نے پیٹ کی آگ بجھانے کی بجائے، عادل جیسیر سے نکلنے ہی ایک بار پھر گاڑی مکان کی طرف دوڑا دی تھی، ڈرائیو نگ سیٹ پر اب بھی فیصل ہی بیٹھا تھا، مسلسل سفر اور بیٹی کی پریشانی نے نواز کا بدن چور چور کر ڈالا تھا، اس لئے وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کی بجائے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ٹیک کا کر بیٹھ گیا تھا۔

”بیٹا۔۔۔ بہن کا کوئی فون تو نہیں آیا۔۔۔؟“ گاڑی میں بیٹھے ہی نور نے ملتان فون کیا تھا اور غاروقی کے فون اٹینڈ کرنے پر پوچھا تھا۔

”نہیں چاہا۔ ابھی تک تو پری آپلی کا کوئی فون نہیں آیا.....“ جب سے نواز اور فضیل گھر سے نکلے تھے، تب سے فریح، سندس اور فاروق ایک ہل کے لئے بھی جین سے نہیں بیٹھ چائے تھے، نواز نے چلتے ہوئے انہیں اسے فون کرنے سے بھی منع کر دیا تھا، ماس لئے وہ فون بھی نہیں کر چائے تھے، لیکن اس دوران وہ کئی بار پری کا نمبر ملانے کی کوشش کر چکے تھے، مگر انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی، نواز کا فون آنے پر فریح اور سندس تیزی سے فاروق کے پاس آگئے تھے۔

”ابھی کچھ دیر پہلے اس سے مہر بات ہوئی تھی“

”پری آئی تھی کہ تو ہے ناں“

”وہ تھوڑی دیر میں ملتان پہنچنے والی ہے۔ تم اس سے فون پر رابطہ کر لینا اور اسے اڑے سے جا کر



“... 110”

”اور دیکھو۔ اپنی ماما سے بھی کہہ دو۔ وہ آئے تو اس سے کسی قسم کی کوئی بات نہ کریں۔۔۔ میں وہاں پہنچ کر خود اس سے بات کروں گا۔“

”ٹھیک ہے بابا۔“

فون بند ہوا تو فریج اور سندس نے ایک ساتھ سوانوں کی بو چھاڑ کر دی تھی، فاروق نے تسلی سے تمام تفصیل بیان کر دی تھی اور پھر پری سے رابطے کے لئے فون ملانے لگا تھا، رابطہ ہونے پر فاروق نے پری سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، اس نے باپ کے حکم کے مطابق، گاڑی کی آمد کے بارے میں دریافت کرنے اور اسے لینے کے لئے آنے کا بتانے کے علاوہ کوئی بات نہیں کی تھی۔

پری کے ملان پہنچنے میں تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا، اس لئے فاروق جلدی سے گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا، ابھی وہ پہنچا ہی تھا کہ لاہور سے آنے والی گاڑی بھی آگئی تھی، اس لئے اسے انتظار میں کھڑے ہونا نہیں پڑا تھا، اس نے پری سے کوئی بات نہیں کی تھی، وہ بھی خاموشی سے گاڑی کی ہچکلی سیٹ پر آ بیٹھی تھی، پری کو لئے فاروق گھر پہنچا تو فریج اور سندس گیٹ پر ہی کھڑی ان کی راہ تک رہی تھیں، فریج نے آکے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگ لیا تھا اور اس کی آنکھوں میں ر کے ہوئے آنسو چمک پڑے تھے، سندس بھی بہن کے گلے لگ کر رو پڑی تھی، پری کی آنکھیں بھی ختم تھیں، وہ کسی سے نظر نہیں ملا پارہی تھی اور گردن جھکا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

”آپ تو بہت بخیر رہے ہیں آبی۔ مگر یہ آپ نے کیا کیا۔۔۔؟“ سندس نے پری کے پاس بیٹھتے ہوئے پیار سے بات کی تھی۔

”آبی اس وقت پریشان ہیں۔ ان سے کوئی سوال نہ کرو۔۔۔“ فریج نے سندس کو سمجھایا۔

ماں کے سمجھانے پر سندس نے خاموشی اختیار کر لی تھی، پری کے پاس بہن کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے وہ اسی طرح گردن جھکائے بیٹھی رہی، مگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہ کر اس کی جھوٹی میں گرنے لگے تھے، کمرے میں تین خواتین اور ایک مرد کی موجودگی کے باوجود مکمل سناٹا تھا، کچھ دیر بعد پری وہاں سے اٹھ کر اپنے بیدروم میں چلی گئی تھی، جبکہ باقی کے افرال اپنی اپنی سوچوں میں گم وہیں بیٹھے تھے۔

باپ، بیٹا، اعصاب، صحت، سفر کے بعد گھر پہنچنے تھے، ان کے پہنچنے ہی فریج، سندس اور فاروق نے انہیں گھیر لیا تھا، وہ تین ہی اصل حالات سے ابھی تک بے خبر تھے، اس لئے تمام تر تھکیلات جاننے کے لئے

ہے لیکن ہور ہے تھے نواز اور فاروق کی زبانی تمام تر بات سن کر وہ تھاکی سے آگاہ ہو چکے تھے، کچھ دیر بعد نواز نے پری کو وہاں بلا کر لانے کو کہا تھا، باپ کے حکم پر سندس، پری کو بلا لائی تھی اور اب وہ سب کے سامنے مجرم بنی بیٹھی تھی۔

”کسی کی آواز میں تم نے محبت ڈھونڈ لی اور ہم نے آج تک جو تم سے لاف بچا کر کیا اس میں کیا کوئی محبت نہیں تھی ۱۹۹۹؟“ پری کو سامنے دیکھ کر نواز کا خون کھولنے لگا تھا اور وہ چیخ اٹھا تھا۔۔۔ ”مجھے یہ سوچ کر ہی تکلیف ہو رہی ہے کہ محض چند روز تک فون پر جھوٹی جی ٹھٹھکو کرنے والے ایک اجنبی شخص کی خاطر تم ہمارے برسوں کے پیار اور عزت کو وہاں پر لگا کر گھر کی دلہیز پار کر گئی جی تو چاہتا ہے تمہارا گلا ہی گھونٹ دوں۔۔۔“ نواز نے فیسے سے کانپتے ہوئے بات کی تھی اور میز سے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے پری کا گلا دبوچ لیا تھا، یہ جلد اس قدر راجا تک ہوا تھا کہ سب کمرے دیکھتے وہ گئے تھے، نواز نے پری کا گلا اس قدر زور سے دبایا تھا کہ اس کی آنکھیں باہر کواہل آئی تھیں۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔۔۔ اس طرح بھی کوئی جو ان بچیوں پر ہاتھ اٹھاتا ہے کیا جان سے مار ڈالیں گے اسے رہنے دیں آپ میں خود ہی اسے سمجھا دیں گی۔“ فریج نے پری کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر نواز کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا تھا۔

”اسے یہ بھی بتا دینا۔۔۔ کبھی کبھی کوئی نامانی زندگی بھر کے لئے بچتا تو ابھی بن جایا کرتی ہے۔“

”میں بتا دوں گی اسے۔۔۔“

پری کی روتے ہوئے ہچکیاں بندھ گئی تھیں، اس سے کوئی بات نہیں ہو پارہی تھی، اس نے روتے ہوئے ہشکل ”مسوری پاپا۔۔۔“ کہا تھا۔

”تمہارے جیسی لڑکیوں کا دلہیز کے اندر دم گھٹتا ہو انہیں دلہیز کے اس پار کی دنیا بہت پرکشش اور رنگین محسوس ہوتی ہے۔ مگر جب وہ انہیں پانے کی خواہش لئے گھر کی دلہیز پار کر جاتی ہیں۔ تب انہیں احساس ہوتا ہے کہ دلہیز کے اس پار کی دنیا کس قدر بے تک ہے۔ جہاں قدم قدم پر دھوکہ اور فریب ہے۔ انسان کے روپ میں کتنے سی شکاری جگہ جگہ اپنا اپنا جال بچائے بیٹھے ہیں۔ جو ہاتھ آئے ہوئے شکاری بوٹیاں تک ٹوچ ڈالتے ہیں۔“

”اب بس بھی کریں۔ بہتر ہے اس بات کو کہیں دفن کر دیا جائے۔ ابھی تک تو یہ بات اس دلہیز سے پار نہیں گئی ہوگی۔ اگر یہ بات دلہیز پار کر گئی تو بدنامی اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔“ فریحہ نے انتہائی نرم لہجے میں خاندان کو سمجھایا تھا، بیوی کی بات اس کے پلے پڑ گئی تھی اور وہ ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا تھا، فریحہ نے پری کو اپنے پاس بٹھالیا تھا اور کسی بچے کی طرح اسے زمانے کے اونچ نیچ سمجھانے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

خادم حسین نے اپنی ماں کو شروع سے اب تک پیش آنے والے تمام واقعات سے آگاہ کر دیا تھا، بیٹے کی بات سن کر کوثر نے اپنا سینہ پیٹ لیا تھا، خادم حسین کے منت سماجت کرنے پر وہ اسے ساتھ لئے عادل جیسے بچے لگی تھی، ایڈوکیٹ عادل کسی کہیں کے سلسلے میں آفس سے نکلنے ہی والا تھا، مگر خادم حسین کے ساتھ اس کی ماں کو آتے دیکھ کر رک گیا تھا۔

”اسے معاف کرو صاحب۔“ کوثر نے ایڈوکیٹ عادل کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ اس قابل نہیں کہ اسے معاف کیا جائے۔“ ایڈوکیٹ عادل نے غلج لہجے میں بات کی تھی۔

”بچوں سے بھول ہوئی جاتی ہے۔“

”یہ بچہ نہیں... ایک نمبر کا فرائز ہے۔“ شکر کرو میں تے کسی طرح ان لوگوں سے اس کی جان بخشی کروا

دی۔ ورت یہ ان کے ہاتھوں مارا جاتا یا پھر جیل جاتا....“

”ایک بار میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کی لالچ رکھ لو صاحب۔“ کوثر بیٹے کے لئے ایڈوکیٹ کے

سامنے ہاتھ جوڑے منت سماجت کر رہی تھی۔

”میں نے خدا ترسی کر کے اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا، مگر اسے عزت دہش نہیں آئی۔“ شاکر اسے اس

کی اوقات سے براہ کر مل گیا تھا۔ لیکن اب میں اسے کسی صورت میں بھی اپنے ہاں نہیں رکھوں گا۔ کیونکہ

مجھے اپنی عزت سب سے زیادہ عزیز ہے۔ اور میں اس کی خاطر اپنی عزت داؤ پر لگانے کے لئے ہرگز تیار

نہیں۔“ ایڈوکیٹ عادل نے دو ٹوک بات کی تھی اور پھر وہاں سے نکل گیا تھا، کوثر اور خادم حسین اسے جاتا ہوا

دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

نواز کے کہنے پر فریجھ نے پری کا موبائل لے کر اپنے پاس رکھ لیا تھا، پری نے موبائل واپس لئے جانے پر کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا تھا، اسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس نے گھر کی ویلیٹر پارکر کے بہت بڑی غلطی کی تھی، اپنی اس بھول کی وجہ سے وہ اپنے والدین اور بہن بھائیوں سے لگائیں بھی نہیں مانتی تھی اور ذرا ذرا سی بات پر رونے لگ جاتی تھی، تھوڑے ہی دنوں میں پری نے خود کو اس قدر بدل ڈالا تھا کہ فریجھ نے خوش ہو کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ بھیرتے ہوئے اسے موبائل واپس دے دیا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا، جب وہ گہری نیند کے حربے لے رہی تھی کہ اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی تھی، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تھا، کسی unknown نمبر سے کال آ رہی تھی، موبائل پر مسلسل بیل ہو رہی تھی، وہ کچھ دیر تک موبائل کو دیکھتی رہی، پھر اچانک فون انینڈ کر کے کان سے لگا لیا تھا۔

